© rasailojaraid.com

دھمکی دیتے۔ انگریزوں اور افغانوں کے درمیان پرانے زمانے میں جو لڑائیاں ہوئی تھیں' ان کے درمیان اکثر انگریزوں نے پیواڑ پر قبضہ کر کے کابل کی طرف پیش قدمی کی تھی اور کابل کو بہ آسانی فتح کر لیا تھا۔

جون واپس آنے پر ہمیں یہ معلوم ہوا تھا کہ جنگ کے شروع میں جب جلال آباد کے محاذ پر صالح محمد خان کی فوجوں کو شکست ہوئی تو انگریزوں نے ایک ہوائی جہاز کابل بھیجا تھا جس نے وہاں چند ایک بم گرائے تھے۔ اس سے ارباب حکومت اور کابل کے باشندے اس قدر ہراساں ہوئے تھے کہ کابل چھوڑ کر مرکز حکومت کے اندرون ملک کی طرف پنج شیر علاقہ میں منتقل کرنے پر تیار ہو گئے تھے۔

سردار سپہ سالار صاحب مرحوم نے پیواڑ کی اہمیت اور کابل والوں کی نفسیاتی حالت کو مدنظر رکھ کر امیر صاحب کے اس فرمان کی تعمیل کرنے سے پہلے مجھے پادشاہ خان اور محمد یوسف خان کو بلا کر اس بارے میں ہمارے ساتھ خفیہ مجلس حرب جس کا انہوں نے اپنے افسروں سے بھی ذکر نہ کیا منعقد کی۔ گفت و شنید کے بعد انہوں نے ہمارے ساتھ مل کر یہ فیصلہ کیا کہ پیواڑ کے محاذ پر افغانی فوجیں اپنے مورچوں پر ڈٹی رہیں اور ان کو کبھی بھی یہاں سے نہ ہٹایا جائے۔

اس مشورہ کے بعد انہوں نے امیر صاحب کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں لکھا کہ پیواڑ کے سوا سارے محاذوں پر افغانی فوجیں سرحد سے بیس میل پیچھے ہٹ چکی ہیں' لیکن پیواڑ سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹیں گی۔ اگر اس کے باوجود بھی امیر صاحب اور ان کی وزارت (Cabinet) افغانی فوج کے پیواڑ سے بیس میل پیچھے ہٹنے پر اصرار کرے گی تو وہ اس حکم کی تعمیل نہ کریں گے اور اس پسپائی کے خمیازہ کی ذمہ داری اپنے سر نہ لیں گے اور اپنے عہدے سے مستعفی ہو جائیں گے تا کہ کوئی دوسرا کمانڈر اس کی جگہ آ کر اس حکم کی تعمیل کرے۔

یہ مراسلہ فوراً سواروں کے ہاتھوں ہاتھ کابل بھیجا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں نے بھی متارکہ کی اس شرط پر زور دینا چھوڑ دیا۔ کیونکہ وہ ہندوستان کی اندرونی بدامنی کی وجہ سے پھر لڑائی شروع کرنے کے حامی نہ تھے۔ اس لئے امیر صاحب نے بھی سپہ سالار صاحب مرحوم کے اس مراسلہ کا کوئی جواب نہ دیا اور محاذ کی حالت بطور سابق باقی رہی۔

ہمارے وفد کی کابل روانگی:

سردار سپہ سالار صاحب مرحوم کو کابل کے ارباب کی ذہنی حالت' اندیشہ اور تذبذب کے بارے میں کابل سے جو اطلاعات پہنچ رہی تھیں ان سے ان کو ڈر تھا کہ افغانی حکومت انگریزوں کو کچھ بے جا مراعات دے دے گی اور افغانستان کے استقلال کے بارے میں جس کو انگریزوں نے متارکہ کے وقت مان لیا تھا' بعض پابندیاں اور کچھ نہ کچھ کمی قبول کر لے گی۔ اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ مجھے، پادشاہ میر خان اور محمد یوسف خان کو بحیثیت اپنے نمائندوں کے امیر صاحب کی خدمت میں بھیجیں' تا کہ ہم وہاں جا کر امیر صاحب کو ارباب حکومت اور اہل دربار کو سمت جنوبی کے محاذ کے حالات سے بہ تفصیل واقف کریں اور ان کو بتائیں کہ ہم اس محاذ پر انگریزوں پر فوقیت اور برتری رکھتے ہیں اور اگر ہمارے پاس ذرا اور قوت ہو تو ہم پیواڑ سے بھی آگے بڑھ کر پاراچنار پر حملہ کر سکتے ہیں اور انگریزوں کو دریائے کرم کی وادی سے نکال سکتے ہیں۔ اس طرح سپہ سالار صاحب مرحوم کی امید تھی کہ کابل والوں میں جو ڈر اور پریشانی پھیلی ہوئی ہے اس کی روک تھام ہو جائے گی اور لوگوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔

چنانچہ انہوں نے ہم تینوں کو اس کام پر روانہ کرتے ہوئے حکم دیا کہ سرحد کے پاس پاس سے گزر کر انگریزی فوجوں کی موجودگی کے بارے میں خبریں حاصل کریں اور افغانی فوجوں کی معنویات (MORALE) کا بھی اندازہ لگائیں اور ان کی ڈھارس بندھائیں۔ مجھے اس کے سوا یہ کام بھی دیا گیا کہ محاذ کے مختلف اہم ٹکڑوں کے خاکے تیار کر کے اپنے ساتھ لے جاؤں تا کہ امیر صاحب کو انگریزی اور افغانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فوجوں کے مورچوں کی جگہوں اور اہمیت کا باہم مقابلہ اور معائنہ کرنے میں مدد ملے۔

ہم متون سے گھوڑوں پر سوار ہوکر (پٹھان) کی جلی ہوئی افغانی چوکی کے نزدیک سے گزرے اور وہاں کی پہاڑیوں اور نالوں کا خاکہ کھینچ کر آگے بڑھے۔ تین دن کے بعد علاقہ جاجی میں جہاں پیواڑ واقع ہے، داخل ہوئے۔ اس علاقے میں داخل ہونے سے پہلے ہم نے دوپہر کا کھانا ایک پہاڑی پر جہاں ایک قدرتی چشمہ بہہ رہا تھا، کھایا۔ یہ کھانا کیا تھا؟ تین دن کی سوکھی روٹی سے ہم اپنا پیٹ بھرنے پر مجبور تھے۔ روٹی سوکھ کر اتنی سخت ہوگئی تھی کہ پتھر سے بھی نہیں ٹوٹتی تھی۔ نزدیک کوئی آبادی بھی نہ تھی کہ وہاں سے کچھ کھانے کی چیز مل جائے۔ ہم نے اس سوکھی روٹی کے ٹکڑوں کو پانی میں بھگو کر ذرا نرم کیا اور بڑے مزے سے کھانا شروع کیا۔ پادشاہ خان کو اس وقت محاذ ٹھل کا ایک مضحکہ خیز واقعہ یاد آگیا اور اسے ہمیں سنا کر ہم کو ہنسانے کی کوشش کی۔ اس پر مجھے ہنسی آگئی اور اس سوکھی روٹی کا لقمہ جو میرے منہ میں تھا میرے حلق میں پھنس گیا۔ اس سے میرے لئے سانس لینا مشکل ہوگیا۔ میری آنکھیں باہر نکلنے لگیں اور دم بند ہونے لگا۔ میرے ساتھیوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں میں سانس کے رکنے کی وجہ سے مر ہی نہ جاؤں، میرے منہ میں انہوں نے پانی ڈالنے کی کوشش کی لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ پادشاہ میر خان کے حواس ذرا ٹھکانے تھے۔ اس نے میرے کندھوں کے درمیان پیٹھ پر ایک سخت مکا رسید کیا جس سے وہ روٹی کا سوکھا ٹکڑا میرے حلق سے نیچے اتر گیا اور میں نے پھر سانس لینا شروع کردیا۔ اگر خدانخواستہ گلے کے گھٹنے کی وجہ سے میں یہاں مرجاتا تو میرے دوست اور خاص کر میرے مہاجر ساتھی تو اس کو سن کر ضرور یہی کہتے کہ پادشاہ میر خان اور محمد یوسف خان نے کسی خفگی یا لالچ کی وجہ سے گلا گھونٹ کر مجھے مار ڈالا۔

شام کے قریب ہم پیواڑ پہنچے اور اگلے روز ہم کو سردار شاہ محمود خان نے اپنے محاذ کا دورہ کرایا۔ ہم نے یہاں کے افغانی فوجوں کے مورچوں کو بہت مضبوط پایا۔ یہاں جنگل اتنا گھنا تھا کہ دن کے وقت بھی دس پندرہ قدم پرے کے آدمی کو دیکھنا محال تھا۔ یہاں کی فوج کو معنویات (MORALE) بہت اچھی تھیں۔ میں نے یہاں کے پہاڑوں اور مورچوں کا بھی ایک خاکہ بنایا اور ہم وہاں سے کابل روانہ ہوگئے۔

تیسرے دن ہم کابل پہنچے اور اسی روز امیر صاحب کے حضور میں پیش ہوئے۔ امیر صاحب کو ہم نے اپنے محاذ کے حالات سنائے اور وہاں کی فوجوں اور جاجی کے علاقے کے باشندوں کی ہمت اور جرأت کا ان سے ذکر کیا اور پیواڑ کے مورچوں کی مضبوطی کا حال ان کو سنایا۔ نقشے اور خاکے کے ذریعہ اس جگہ کی اہمیت ان پر واضح کرکے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ جب تک پیواڑ کا بلند درہ (PASS) ہمارے ہاتھ میں ہے انگریز اس راستے سے کابل پر خشکی کے ذریعہ کبھی بھی حملہ نہیں کرسکتے اور ہوائی جہازوں کے حملوں سے چنداں ڈر ہونا ہی نہ چاہئے۔ لیکن اگر پیواڑ کی چوٹی سے ہماری فوجیں پیچھے ہٹ جائیں تو ایک مہلک فوجی غلطی ہوگی۔ اس لئے انگریزوں کی جو تجویز اس کے متعلق ہے' اس کو رد کرنا ضروری ہے۔ انگریزوں میں اس وقت اتنا دم نہیں ہے کہ افغانستان پر حملہ کرسکیں۔ اگر وہ اس کا اقدام کریں گے تو ہم پھر ٹھل پر حملہ کرکے ان کے رسل ورسائل اور آمدورفت کا راستہ کاٹ دیں گے اور ان کی فوج پیچھے سے گھیر لیں گے۔ اس لئے انگریز پیواڑ کے راستے سے کبھی بھی کابل پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے۔

امیر صاحب کو ہماری باتوں سے بہت اطمینان ہوا۔ ان کے درباریوں نے ہم سے جدا جدا حالات سنے جس سے ان کی بھی ہمتیں بلند ہوگئیں۔ میں سردار محمود بیگ طرزی سے ملا۔ وہ اس وقت وزیر خارجہ تھے اور انگریزوں سے جتنی گفتگو ہوتی تھی، وہ ان ہی کے ذریعہ ہوا کرتی تھی۔ میں نے ان کو بھی اپنے محاذ کے حالات سنائے۔ اس پر وہ خوشی میں کہنے لگے: ''سمت جنوبی کے محاذ کی فوجوں نے ہماری عزت رکھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لی۔"

میں نے ان سے قبلہ مولانا عبیداللہ صاحب مرحوم کا جو صالح محمد خاں کی شکست کے بعد جلال آباد سے خوشی محمد کو اپنے ساتھ لے کر چترکند چلے گئے تھے' ذکر کیا اور ان سے درخواست کی کہ قبلہ مولانا صاحب مرحوم کو کابل بلا کر ان کے مشوروں سے فائدہ اٹھائیں۔

چنانچہ انہوں نے امیر صاحب سے کہہ کر حکم بھجوایا کہ قبلہ حضرت مولانا صاحب اور ان کے ساتھیوں کو سرکاری مہمان بنا کر یاغستان سے جلال آباد اور وہاں سے کابل روانہ کردیا جائے۔

کابل میں رہتے ہوئے ہم نے دربار میں ایک شخص کو دیکھا جو کابلی یا افغان نہ تھا بلکہ زیادہ تر پشاوری معلوم ہوتا تھا۔ اس کو لوئے خان (بڑے خان صاحب) کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ صاحب پشاور سے ہجرت کر کے آئے ہیں اور ان کا وہاں نام قاضی محمد ولی خان تھا۔ انہوں نے بھی کابل میں رہتے ہوئے قبلہ مولانا صاحب اور ہماری جماعت سے علیحدہ اپنی ایک ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رکھی تھی اور افغانی گورنمنٹ سے وظیفہ لیا کرتے تھے۔ وہ ہجرت کی تحریک کے بعد (جس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا) ترکی' یورپ اور پھر مصر چلے گئے تھے اور غالباً وہیں فوت ہوگئے۔

کابل کے اسی قیام کے دوران میں ہمیں خبر ملی کہ افغانی حکومت یورپ کی سلطنتوں کو اپنی آزادی کی خبر دینے اور ان سے سفارتی تعلقات پیدا کرنے کے لئے مختلف وفد بھیجنا چاہتی ہے۔ ان میں سے روس اور یورپ کو جانے والے وفد کا سرکردہ غلام بچہ محمد ولی خان مقرر کیا گیا۔ جس نے امیر حبیب خان کے قتل کی خبر ٹیلیفون سے امان اللہ خان کو پہنچائی تھی۔ ایک وفد ترکی جانے والا تھا جس میں میں' قبلہ مولانا صاحب مرحوم نے کابل واپس آکر اپنے بھتیجے عزیز احمد کو شامل کرادیا تھا۔

ہم کابل میں تین دن رہ کر پھر محاذ کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس وقت افغانی ہیئت سردار علی خان ایشک آقاسی کی قیادت میں انگریزوں کے ساتھ صلح کی گفتگو کرنے کے لئے راولپنڈی جانے والی تھی۔ ہمارے کابل کے سفر سے اس ہیئت کی بھی بہت ڈھارس بندھ گئی۔ اس نے راولپنڈی میں جو عارضی صلح کا معاہدہ 8 اگست 1919ء کو کیا، اس میں انگریزوں کو متارکہ کے وقت 27 مئی 1919ء کو مان لیا تھا' تصدیق کردی۔

اگرچہ افغانوں نے قبلہ مولانا مرحوم کی تجاویز کے مطابق عمل نہ کیا تھا لیکن پھر بھی حضرت مولانا کے تدبر اور ہندوستان کے جنوب میں موپلوں کی جان نثاریوں اور شمال میں پنجاب کے لوگوں کی قربانیوں کی وجہ سے افغانستان آزاد ہوگیا مگر افسوس کہ ہندوستان ویسا ہی غلام رہا جیسا کہ پہلے تھا۔ اس کے بعد انگریزوں نے جو ظلم ہندوستانیوں پر کیئے وہ تو سب دنیا کو معلوم ہی ہیں، مگر امیر امان اللہ خان مستقل بادشاہ بن گئے اور اس کامیابی کا سہرا انہوں نے صرف اپنے سر پر رکھ لیا۔

خوست میں قیام کے آخری ایام:

حتون واپس آنے پر ہم نے دیکھا کہ ہمارا پڑاؤ اب چھاؤنی سے دور اور درختوں کی چھاؤں میں بڑی ندی کے کنارے ہے۔ یہاں علیحدہ خیمہ لگایا گیا تھا جو سردار سپہ سالار صاحب مرحوم کے خیمے کے نزدیک تھا۔ یہاں میرا کوئی خاص فرض تو نہ تھا جس کی ادائیگی میرے لئے مجبوری ہو۔ صرف میں کبھی کبھی سردار سپہ سالار صاحب مرحوم کے جنرل سیکریٹری مرزا محمد یعقوب خان کو اس کے سرکاری کام میں مدد دے دیا کرتا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد اکثر اوقات سردار سپہ سالار صاحب مرحوم کے ساتھ شطرنج کھیلا کرتا تھا جس میں عام طور پر میری جیت ہوتی تھی۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے افغانستان میں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ: مولانا سعید احمد بھٹو

شرح تراجمِ ابوابِ صحیح بُخاریؒ

یہ رسالہ دراصل عارف ربانی، فقیہ، محدث، مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح بخاری کے ابواب کی تشریح پر مشتمل ہے، جس کا پہلی بار عربی سے اردو میں ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ! وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد! رحمت خداوندی کا محتاج احمد جسے ولی اللہ بن عبدالرحیم کہتے ہیں، عرض کرتا ہے کہ سب سے پہلے محدثین نے علم حدیث میں چار فنون میں تصنیفات لکھیں۔ ۱- سنت یعنی فقہ میں مثلاً موطا مالک اور جامع سفیان۔ ۲- فن تفسیر میں مثلاً ابن جریج کی کتاب (صحیح ابن جریر ہے نہ ابن جریج۔ مترجم) ۳- سیرت کے فن میں مثلاً محمد بن اسحاق کی کتاب ۴- زہد وتقویٰ اور رقائق (رقت انگیز مضامین) میں ابن مبارک کی کتاب۔

امام بخاری نے ان چار فنون کو ایک کتاب میں جمع کرنے کا ارادہ کیا۔ جس میں وہ روایات جمع کی ہیں، جن کی صحت کے بارے میں ان سے پہلے یا ان کے زمانہ کے علماء نے حکم لگایا تھا۔ انہوں نے وہ مرفوع احادیث بیان کی ہیں جس کی سند مسلسل ومتصل رسول اللہ ﷺ تک پہنچے۔ اگرایسی روایات کی تائید وتاکید میں آثار یعنی صحابہ وتابعین کے اقوال موجود ہیں تو وہ بھی بیان کرتے ہیں۔ لیکن یہ آثار متصل روایات کی متابعت میں ہوتے ہیں، بجائے خود وہ اصل نہیں ہوتے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اپنی کتاب کا نام ''الجامع الصحیح المسند'' رکھا ہے۔ انہوں نے پوری پوری کوشش کی ہے کہ ہر حدیثِ رسول ﷺ سے مسائل مستنبط کیے جائیں، چنانچہ ہر حدیث سے بہت سے مسائل مستنبط کیے ہیں۔ اس معاملہ میں ان سے پہلے کسی اور نے سبقت نہیں کی۔ بخاری کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ احادیث کو جدا جدا ابواب کے تحت جمع کیا ہے اور تراجمِ ابواب یعنی قائم کردہ عنوانات میں استنباط کا راز مضمر رکھا ہے۔ ان عنوانات کو چند اقسام پر تقسیم کیا جاسکتا ہے: ۱- ایسی مرفوع حدیث پر عنوان باندھتے ہیں جو ان کی شرط پر نہیں ہوتی مگر ذیل میں بطورشاہدی ایسی حدیث بیان کردیتے ہیں جو ان کی شرط کے مطابق ہوتی ہے ۲- ظاہر حدیث، اس کے اشارے، عموم یا مفہوم سے مسئلہ مستنبط کرتے ہیں۔ ۳- عنوان کے تحت پہلے بیان کردہ کسی فقہی مسئلہ کی تائید میں ایسی حدیث بیان کرتے ہیں جس سے وہ مسئلہ ثابت ہوتا ہو، اگرچہ اس کے لئے وہ دلیل قطعی نہ ہو۔ ایسا اختلافی مسئلہ یوں بیان کرتے ہیں: ''باب: جو اس طرح کہے'' ۴- ایسا مسئلہ بیان کرتے ہیں جس کے بارے میں احادیث مختلف ہیں۔ اس طرح کی احادیث بیان کرکے فیصلہ فقیہ کی صوابدید پر چھوڑ دیتے ہیں۔ مثلاً ایک باب کا عنوان ہے: ''عورتوں کا رفع حاجت کے لئے نکلنا'' اس کے تحت دو مختلف احادیث بیان کی ہیں ۵- کسی مسئلہ میں دلائل متعارض اور مختلف فیہ ہوں اور بخاری کے نزدیک مطابقت ممکن ہو اور ہر دلیل کا محمل اور مطلب خاص ہو تو اسے بیان کرکے اشارہ کرتے ہیں کہ اس طرح دونوں اختلافی دلائل میں مطابقت ممکن ہے۔ مثلاً: ''باب: اعمال ضایع ہونے کے بارے میں مؤمن کا خوف اور نافرمانی اور لڑائی پر اصرار کرنے کا خطرہ''

اس باب کے تحت یہ حدیث بیان کی ہے: ''مسلمان کا گالی دینا فسق اور اس کا لڑنا کفر ہے۔'' ۶- کسی باب کے تحت متعدد احادیث ایسی بیان کی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت عدلیہ (Judiciary) اور انتظامیہ (Executive) (امور انتظامیہ) ایک دوسرے سے علیحدہ نہ تھے۔ یعنی ضلع کا کمشنر یا صوبے کا گورنر جج (Judje) کے فرائض بھی ادا کیا کرتا تھا اور مقدمے سن کر فیصلے دیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ مار پیٹ، چوری اور اس قسم کی وارداتوں کے متعلق بھی جو مقدمے ہوتے تھے وہ اسی کے سامنے پیش ہوا کرتے تھے۔ صوبوں میں قاضی بھی موجود تھے جو شرع محمدی کے احکام کے موجب وراثت اور قتل کی وارداتوں کے مقدمے سنا کرتے تھے اور قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم دیا کرتے تھے۔ حوست میں لوگوں کے آپس کے نزاع اور جھگڑے کے بارے میں جو مقدمے ہوتے تھے ان کے سننے کے لئے کرنل عبدالقیوم مقرر تھا۔ ایک روز اس کے سامنے ایک قیدی لایا گیا جس نے مدعی کے مال پر ناحق قبضہ کرلیا تھا۔ قیدی کے ہاتھ میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اس کے اردگرد سپاہی بھی موجود تھے۔ مدعی اور مدعا علیہ پہلو بہ پہلو عبدالقیوم خان کے سامنے جو اپنے خیمے کے باہر بغیر فوجی وردی کے مقدمہ کی سماعت کررہا تھا کھڑے تھے کہ جھپٹ کر مدعا علیہ نے مدعی پر حملہ کیا اور ہتھکڑیوں کے باوجود اس کی پیٹی سے اس کا خنجر چھین کر اس کے سینے میں گھونپ دیا۔ مدعی کو تو اس نے وہیں ڈھیر کردیا اور اس کے بعد اس نے عبدالقیوم خان اور اردگرد کے لوگوں پر وار کرنے شروع کردیئے۔ عبدالقیوم تو فوراً خیمے میں گھس گیا اور وہاں سے خیمے کے پچھلے دروازے سے نکل کر بھاگ گیا، مگر قاتل ایک دو اور لوگوں کو زخمی کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس پر پہرے داروں نے فیر کرنے شروع کردیئے۔ سپاہیوں کے بے تکے فیر سن کر میں بھی خیمے سے نکل کر ادھر گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک افراتفری اور نفسانفسی پھیلی ہوئی ہے۔ میدان میں صرف وہ قاتل ہے جو پاؤں میں بیڑیاں ہونے کے باوجود بھی ادھر ادھر حملہ کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ سپاہی اس پر مختلف طرف سے بے تکی گولیاں چلا رہے ہیں اور لوگ ان گولیوں سے بچنے کے لئے آڑ میں اور گھروں میں چھپنے کی کوشش کررہے ہیں۔ آخر ایک سپاہی کی گولی قاتل کی ٹانگ میں لگی جس سے وہ گر گیا اور سپاہیوں نے اردگرد سے آکر اس پر قابو پایا اور اس کو پھر قید میں ڈال دیا۔ اگلے روز قاضی نے اس مدعی پر قتل کرنے کی وجہ سے موت کا فتویٰ لگادیا اور سردار سپہ سالار صاحب مرحوم نے سب پڑاؤ والوں اور شہر کے باشندوں کے سامنے اس کو چاند ماری کروادیا تاکہ سب لوگوں کے لئے جائے عبرت ہو۔

افغانستان کے مشرقی اور جنوبی صوبوں میں اس وقت امن وامان کم ہونے کی وجہ سے ہر شخص ہتھیار بند رہتا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں پستول یا بندوق تو اکثر نہیں ہوتی تھی لیکن پیٹی میں خنجر ضرور رکھا کرتے تھے۔ اگر اس وقت ہتھیار بندی پر کچھ پابندی لگی ہوتی تو شاید مندرجہ بالا واقعہ پیش نہ آتا اور مدعا علیہ مدعی کو اس طرح خنجر سے قتل نہ کرسکتا۔ فوجی سپاہیوں کے بے تکے فیر کرنے سے اس کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ ان کو چاہئے تھا کہ فوراً زمین پر لیٹ کر قاتل کو اپنی گولی کا نشانہ بناتے۔ قاتل چونکہ سرقد کھڑا تھا اس لئے وہ ایک ہی فیر میں اس کو زخمی کرکے بہ آسانی گرفتار کرسکتے تھے۔

ہمارے حوست کے اس قیام کے دوران میں حوست میں اس واقعہ کے سوا ایک اور واقعہ ہوا جس کا میرے دل پر بہت گہرا اور برا اثر پڑا۔ یہ واقعہ قصاص دینے کے متعلق قاضی خوست کے ایک فیصلے کی وجہ سے ظہور میں آیا۔ اس کی تفصیل یوں ہے:

حوست میں ایک نوجوان اپنے کھیت میں کام کررہا تھا کہ اس کا ایک ہمسایہ سے کچھ جھگڑا ہوگیا۔ بات بڑھ کر مکا ڈکی پر پہنچی۔ اس پر ہمسایہ نے خنجر نکال کر اس کے دل میں گھونپ دیا جس سے وہ وہیں ڈھیر ہوکر رہ گیا۔ مقتول ایک بیوہ عورت کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس بیچاری کو جتنا صدمہ ہوا ہوگا اس کا اندازہ لگانا کچھ آسان نہیں ہے۔ مقدمہ قاضی کے سامنے پیش ہوا اور اس نے قصاص کا حکم دے دیا۔ غمزدہ ماں نے کہا کہ وہ قصاص خود لے گی۔ اس پر قاضی نے مجرم کو اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا اور قاتل کو پہرداروں کے ساتھ میدان قصاص میں بھیج دیا۔ یہ جگہ ہمارے پڑاؤ سے کوئی آدھ میل کے فاصلے پر تھی۔ سپاہیوں اور لشکریوں کے ساتھ میں میدان قصاص کو گیا جو بہت بھیانک جگہ تھی، چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی؛ اردگرد خالی کھیت موجود تھے جن میں سے پانی کی ایک نالی بہہ رہی تھی، فصلیں کٹ چکی تھیں۔ سپاہی قاتل کو جس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں؛ یہاں لائے مقتول کی ماں اور ماموں بھی وہاں پہنچے۔ سپاہی نے قاتل سے اس کی آخری آرزو پوچھی تو اس نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی۔ سپاہیوں نے اس کی ہتھکڑیاں اتارے بغیر؛ اس کو وضو کرا کے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔ نماز کے ختم ہونے پر پہرہ داروں نے اس کے ہاتھ اس کی پیٹھ پر باندھ کر اس کو زمین پر چت لٹا دیا۔ اس پر مقتول کی ماں ایک چھرا لئے ہوئے آگے بڑھی۔ اس کی آنکھوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی خون ٹپک جائے گا۔ انتقام کے جذبات کی وجہ سے وہ ایسی بپھری ہوئی تھی کہ اگر اس کا بس چلتا تو وہ قاتل کو کچا کھا جاتی۔ اس نے جھجکے بغیر اپنے چھرے سے قاتل کا گلا کاٹنا شروع کیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ خون دیکھ کر اس کے بازو میں سکت نہ رہی، آخر عورت ہی تھی۔ اس کا انتقام کا جذبہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہوتا، اس کا ارادہ ڈگمگا گیا۔ اس پر اس نے چھرا اپنے بھائی کو دیا جس نے قاتل کا دو ضربوں ہی میں خاتمہ کر دیا۔ ملزم کے ہاتھ چونکہ پیٹھ پر بندھے ہوئے تھے، اسلئے وہ باوجود جان خراشی کے اٹھ نہ سکا اور نہ ہی کچھ مقابلہ کر سکا۔ صرف ذرا ایک دو دفعہ حرکت کی لیکن اس کے بعد وہ مر گیا۔ اس خونی نظارے کو دیکھتے ہوئے تو مجھ پر کچھ اثر نہ ہوا لیکن جب یہاں سے پڑاؤ کی طرف لوٹا تو راستہ میں میرا جی متلانا شروع ہوا اور سر چکرانے لگا جس سے میں ڈرا کہ کہیں مجھے قے نہ ہو جائے یا راستہ میں سر گھوم جانے کی وجہ سے گر نہ جاؤں۔ لیکن میں نے ہمت نہ چھوڑی اور سنبھل کر پیادہ اپنے خیمے تک پہنچ گیا۔

اس طرح میری ساکھ قائم رہ گئی ورنہ افغان کہتے کہ بڑا بزدل آدمی ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس جگدوز نظارے کو دیکھ کر مجھ پر بہت ہی برا اثر پڑا تھا۔ میں نے افغانوں کے مضحکہ کے ڈر سے خود کو سنبھالے رکھا تھا۔ اگر خدانخواستہ مجھے کہیں قے آ جاتی یا راستہ میں سر چکرانے کی وجہ سے گر جاتا تو ساری عمر افغانوں کے طعن و تشنیع اور مضحکہ کا نشانہ بنا رہتا۔

کابل سے میدان جنگ تک اور پھر وہاں سے خوست تک جرمن ہوٹزر (German Howitzer) ہاتھی کی پیٹھ پر لاد کر لے جائی گئی تھی۔ اس کے سوا ان پہاڑوں پر سے اس بھاری توپ کا گزرنا ناممکن تھا۔ ہر روز ہاتھی کی پیٹھ پر توپ لادنے کی وجہ سے آہستہ آہستہ زخم پڑ گیا اس کے باوجود بھی یہ جفاکش جانور بہت تندہی سے اپنا فرض ادا کرتا رہا اور اپنی تکلیف کی وجہ سے اس نے کبھی سرکشی نہ کی۔ خوست واپس پہنچ کر اس کے زخم کی مرہم پٹی کرائی گئی۔ اس کام پر فقیر محمد نام کا ایک کوہاٹی مہاجر سلوتری مقرر تھا۔ زخم بہت آہستہ آہستہ مندمل ہوتا تھا۔ کیونکہ اچھی دوائیاں نہ ملتی تھیں۔ ایک دن فقیر محمد نے مجھے بھی ہاتھی کا زخم دھوتے ہوئے بلا کر زخم دکھلایا اور زخم میں ہاتھ ڈالنے کو کہا۔ میرا ہاتھ کہنی تک زخم کے اندر چلا گیا۔ میں اس میں کوئی مبالغہ نہیں کر رہا ہوں۔ لیکن ہاتھی نے ذرا بھی کوئی اضطراب یا تندہی نہ دکھلائی۔ آخرکار اس کا زخم بالکل بھر گیا اور وہ پھر اس توپ کو اپنی پیٹھ پر اٹھا کر کابل لے گیا۔

نادر خان کی کابل واپسی:

اب ہمارے خوست کے قیام کے دن ختم ہونے والے تھے۔ اکتوبر 1919ء کے ختم ہونے کے قریب امیر صاحب کا فرمان پہنچا کہ چونکہ اب مختلف محاذوں پر امن و امان ہے اس لئے سمت جنوبی کی فوج کا بھی سرحد کے نزدیک سے ہٹ کر کابل واپس آ جانا باعث خطرہ نہیں ہو سکتا اور سردار سپہ سالار محمد نادر خان مرحوم، ان کے بھائی سردار شاہ ولی خان اور سردار شاہ محمود خان جو اپنے فوجی دستوں کے ساتھ علی الدرجات ارغون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور بیواڑ میں پڑاؤ ڈالنے والے تھے، کابل کی طرف روانہ ہوجائیں۔ سردار سپہ سالار صاحب مرحوم نے کوچ کی تیاریاں شروع کیں اور اپنے بھائیوں کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنے اپنے فوجی مرکزوں سے روانہ ہو کر گردیز میں ان سے آملیں۔ چنانچہ تین کمانڈر مقررہ تاریخ پر گردیز پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے ایک روز خاص کر اس انگریزی مال غنیمت، ہتھیاریوں اور سامان جنگ کے ساتھ جس کو وانا سے بھاگے ہوئے ملیشیا کے سپاہی اور مجاہد انعام لینے کے لئے کھینچ کر افغانستان لے آئے تھے (جیسا کہ اوپر لکھا جاچکا ہے) ایک فوٹو کھنچوایا جس میں وہ خاصہ دار بھی شامل تھے جو وزیرستان کی چھاؤنیوں سے بھاگ کر افغانی فوج کے ساتھ آئے تھے۔ اس میں دو گنیں (ہوویٹزر کے گولے پھینکنے والی)، توپوں کی نالیاں، دو مشین گنیں، ایک ہوائی جہاز کے ٹکڑے، پورٹیبل ٹیلیفون (Portable Telephone)، کانٹے دار تار، ٹیلیفون کے تار نظر آتے ہیں۔ سردار شاہ ولی خان اور سردار شاہ محمود خان یہاں سے پھر اپنے اپنے محاذوں پر لوٹ گئے تاکہ سرحدیں بالکل خالی نہ پڑی رہیں۔ گردیز میں چند روز رہنے کے بعد سردار سپہ سالار صاحب مرحوم نے بمعہ اپنے فوج کے کابل کی طرف کوچ کیا۔ خدا کی شان ہے کہ پانچ یا چھ ماہ پہلے جو کمانڈر اپنے بلند عہدے سے محروم اور امیر حبیب اللہ خان کے قتل کی تہمت کی وجہ سے رسوا ہو کر کابل سے محاذ کی طرف روانہ ہوا تھا اور جس کے برخلاف گردیز میں چند ماہ ہوئے فوج نے پھر سر اٹھانے کی کوشش کی تھی، وہ آج ایک کامیاب سردار فوج اور ایک فاتح کی حیثیت سے پایہ تخت کی طرف روانہ ہورہا تھا۔

کابل میں ان کے شاندار استقبال کی تیاریاں کی گئی تھیں اور اہل شہر جان ودل سے ان کا خیرمقدم کرنے کو جوق درجوق اپنے گھروں سے نکل کر چمن حضوری میں جمع ہوگئے تھے۔ ہم جب سردار سپہ سالار صاحب مرحوم کے ہمرکاب چمن حضوری کے نزدیک پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ سارا شہر جھنڈیوں سے آراستہ ہے۔ کابل کی فوجیں گردیز سے آنے والی فوج کے استقبال کے لئے صف بستہ ہیں۔ خود اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ بھی مع اپنے درباریوں کے چمن حضوری میں اپنے سپہ سالار کے خیر مقدم کے لئے، جس نے افغانستان کی عزت رکھ لی اور ملک کو استقلال اور آزادی دلائی تھی، قدم رنجہ فرما چکے تھے۔ اعلیٰ حضرت امیر صاحب اور سردار سپہ سالار صاحب گھوڑوں پر سوار ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ کابل اور سمت جنوبی کی فوجوں نے سلامی اتاری۔ سردار سپہ سالار صاحب مرحوم اپنے گھوڑے سے اتر کر اعلیٰ حضرت امیر صاحب کے گھوڑے کی طرف چلے۔ اس پر اعلیٰ حضرت بھی اپنے گھوڑے سے اتر پڑے اور سردار سپہ سالار صاحب کو بہت محبت سے اپنے گلے لگایا۔ یہ نظارہ بہت ہی مسرت انگیز تھا۔ یہاں کی کاروائی ختم ہونے پر فوج کے مختلف دستے اپنی اپنی چھاؤنیوں کو چلے گئے۔ اگلے روز دربار شاہی منعقد ہوا۔ دفاتر اس روز بھی بند رہے۔ اس میں سردار سپہ سالار صاحب مرحوم نے اعلیٰ حضرت امیر صاحب کی خدمت میں اپنے فوجی افسروں، قبیلوں کے سرداروں اور ان لوگوں کو جنہوں نے اس لڑائی میں کارہائے نمایاں کئے تھے اور بہادری دکھلائی تھی ایک ایک کرکے پیش کیا۔ ان لوگوں میں سے قبیلوں کے سرداروں کو خلعت اور نقد انعام دیئے گئے۔ سردار سپہ سالار صاحب مرحوم نے مجھے اعلیٰ حضرت امیر صاحب کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے جو الفاظ استعمال کئے ان کا ترجمہ یہ ہے: "اس نوجوان کی عمر کم ہے لیکن اس نے ایسی بہادری دکھائی ہے کہ فوج کے بڑے بڑے اور تجربہ کار افسروں کو بھی مات کردیا ہے۔ یہ ایک ہندوستانی مسلمان مہاجر ہے لیکن ایسا من چلا ہے کہ اس نے اپنی جرأت سے بہت سے افغانوں کو شرمندہ کردیا ہے۔"

مجھے ان خدمات کا جو حوصلہ دیا گیا، اس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔ سردار سپہ سالار صاحب مرحوم کا ان کے بھائی سردار شاہ ولی خان اور سردار شاہ محمود خان اور وزیر خارجہ سردار محمود بیگ طرزی کو افغانستان کا سب سے بڑا تمغہ جس کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(اعلیٰ) کہا جاتا ہے دیا گیا۔ اس تمغے کے ساتھ زمینوں کے کچھ مربعے بھی دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ سردار سپہ سالار صاحب مرحوم کو اس سلسلہ میں کابل کے نزدیک قلعہ علی آباد اور اس کے اردگرد کی زمینیں دی گئیں، لیکن انہوں نے یہ ساری جائیداد جیسا کہ آگے چل کر بہ تفصیل بیان کیا جائے گا، علی آباد کے کتب کے لئے وقف کردی۔

سمت جنوبی کے باقی افسران اور سپاہیوں کو "نشان استقلال" نام کا ایک تانبے کا تمغہ دیا گیا۔ اس قومی خدمت کے صلے میں اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خان نے سردار محمد نادر خان کے نام پر شہر کابل کے باہر بڑی سڑک کے بیچ میں ایک یادگار قائم کرنے کا حکم دیا۔ یہ یادگار سنگ مرمر کے ستون کی شکل میں بنائی گئی۔ ارگ کابل کے دروازے سے جو سڑک شہر کے باہر کو جاتی ہے، اس یادگار کے اردگرد گھوم کر گزرتی ہے۔ اس یادگار کے پتھر پر جو کتبہ کندہ ہے اس میں سردار محمد نادر خان سپہ سالار افغانستان کی قومی خدمات کا ذکر ہے اور ان کو افغانستان کی آزادی حاصل کرنے والا ایک ہیرو مانا گیا ہے۔ ایک مطلق العنان بادشاہ کا اپنے ایک کمانڈر کی خدمت کا اس طرح اعتراف کرنا اور اس فتح کا سہرا اپنے سر باندھنے کی بجائے اس کمانڈر کے نام پر ایک یادگار قائم کرکے وہاں ایک کتبہ لگوانا ایک ایسی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت ہے جو مسلمان ملکوں میں بادشاہت کا دور قائم ہوجانے اور بادشاہوں کو "ظل اللہ علی الارض" مانے جانے کے بعد شاید ہی کسی مطلق العنان مسلمان بادشاہ نے دیا ہوگا۔ کیونکہ اس دور استبداد میں ہر بڑا کام اور اچھی کاروائی کا سہرا صرف بادشاہ ہی کے سر رہتا ہے خواہ اس کا وزیراعظم یا سپہ سالار ملک اور قوم کے لئے کتنی ہی بڑی سے بڑی خدمات سرانجام کیوں نہ دے۔

شاہی دربار کے چند روز بعد سردار محمد نادر خان کو وزیر جنگ اور سپہ سالار کل افواج افغانستان کا عہدہ اور رتبہ ملا۔ انہوں نے ازسرنو فوج کی تنظیم کا کام شروع کردیا۔

مجھے اعلیٰ حضرت امیر صاحب نے افغانی وزارت خارجہ میں مقرر کیا اور سردار سپہ سالار صاحب مرحوم کی سفارش پر ماہانہ تیس (30) گنی (انگریزی سونے کا پونڈ) تنخواہ دی۔ لیکن چند دن بعد ہی سردار سپہ سالار صاحب مرحوم نے اعلیٰ حضرت امیر صاحب کو عرض کرکے مجھے وزارت جنگ میں منتقل کرادیا اور اپنا پرائیویٹ سیکریٹری بنا کر ریاست ارکان حربیہ عمومیہ (GENERAL STAFF OFFICE) میں انگریزی اور اردو اخبارات کے ترجمہ کرنے اور ملٹری انٹیلی جنس (Military intelligence) کے کام پر لگادیا۔

ہیئت تنظیمیہ سمت مشرقی:

اس تقرری کے بعد میں نے جو چند ماہ کابل میں گزارے ان کے دوران میں ہندوستان سے آنے والے انگریزی اور اردو اخبارات میں سے افغانی حکومت کی دلچسپیوں کی خبریں اور دنیا کے سیاسی حالات کے متعلق مقالات کا امیر صاحب اور وزارت حربیہ کے لئے ترجمہ کرتا رہا تھا۔ کچھ عرصہ بعد امیر صاحب نے سردار سپہ سالار صاحب مرحوم کو سمت مشرقی کے علاقہ کی ہیئت تنظیمی کا رئیس بنا کر جلال آباد بھیجا۔ میں بھی ان کے ساتھ جلال آباد گیا۔ انگریزی، افغانی جنگ کے دوران میں اس محاذ پر افغانی فوجوں کو شکست ہونے کے باعث اردگرد کے قبیلوں نے شہر جلال آباد کو لوٹ لیا تھا۔ حکومت کے احکام کی کوئی پرواہ نہ کرتا تھا۔ حکام سے یہاں تک کہ فوج سے بھی لوگ نہ ڈرتے تھے، لگان جمع کرنا حکومت کے کارندوں کے لئے ناممکن سا تھا۔ ان حالات کو درست کرنے، وہاں کے باشندوں کے جان و مال کو پھر محفوظ بنانے اور حکومت کے اثر و نفوذ اقتدار (Authority) کو از سر نو قائم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ایک قابل اور ہر دلعزیز افسر کو پورے اختیارات دے کر اس علاقے میں بھیجا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے امیر صاحب نے 1920ء کے شروع میں سردار سپہ سالار محمد نادر خان مرحوم کو اس کام پر مقرر کیا۔ یہاں آکر انہوں نے جلد ہی حالات پر قابو پالیا اور ہر طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امن وامان ہوگیا۔

سردار محمود بیگ طرزی:

اس زمانے میں انگریزوں سے باقاعدہ صلح کرنے کے لئے ایک افغانی وفد ہندوستان بھیجا جانا کابل میں زیر غور تھا۔ دربار سے جو خبریں سردار سپہ سالار صاحب مرحوم کو جلال آباد میں ملا کرتی تھیں ان سے معلوم ہوتا تھا کہ اس وفد کی روانگی کی تیاریاں ہورہی ہیں۔ سردار سپہ سالار صاحب مرحوم کو امید تھی کہ اس وفد کی سرکردگی ان کے سپرد کی جائے گی اور وہ ہندوستان جاکر انگریزوں سے بات چیت کریں گے۔ انگریزوں نے افغانستان کے استقلال کو تو منظور کر ہی لیا تھا، مگر افغانوں کی اور خاص کر سردار سپہ سالار صاحب مرحوم کی یہ خواہش تھی کہ انگریزوں سے دریائے سندھ تک کا علاقہ لے لیا جائے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم قبائلی علاقہ یعنی (Non-Administrative Area) کہ جس میں باجوڑ، سوات، دیر، مہمند، آفریدی اور گزائی، محسود اور وزیریوں کا علاقہ شامل ہے۔ انگریزوں کے ہاتھ سے چھڑا کر ان کا افغانستان سے الحاق کرالیا جائے اور ان علاقوں کی انگریزی چوکیاں اور چھاؤنیاں وہاں سے ہٹائی جائیں اور یہاں کے لوگوں کو بالکل آزادی مل جائے۔ افغانوں کی ان خواہشات کو بھلا انگریز کب منظور کرسکتے تھے۔ لیکن سردار سپہ سالار صاحب مرحوم اپنے کو ایک کامیاب کمانڈر مانتے تھے، جنہوں نے انگریزوں کو تھل کے میدان میں (کم از کم ان کے اپنے خیال کے مطابق) شکست دی تھی اور افغانستان کا استقلال حاصل کیا تھا۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ انگریز ہندوستان میں بالکل کمزور ہیں اور اگر وہ خود افغانی وفد کے سرکردہ ہوکر ہندوستان بھیجے جائیں تو ان کو اس بارے میں ضرور کامیابی ہوجائے گی۔ انگریزوں کا دریائے سندھ تک کے علاقے کو افغانستان کو دے دینا تو ناممکن سا نظر آتا تھا، اس کو سردار سپہ سالار صاحب مرحوم بھی جانتے تھے۔ لیکن ان کو یہ امید تھی کہ ایسا بڑا مطالبہ کرنے کے بعد اتنا سودا ضرور ہوجائے گا کہ قبائلی علاقے کا افغانستان کے ساتھ الحاق ہوجائے۔ مگر انہوں نے یہ کبھی نہ سوچا تھا کہ یہ سرحدی اقوام پشتو زبان بولنے اور افغان کہلانے کے باوجود بھی افغانستان کی حکمرانی میں رہنا پسند نہیں کریں گی اور ان لوگوں سے لگان لینا افغانی حکومت کے لئے ناممکن ہوگا۔ ایسی حالت میں اس کا بھی احتمال ہوسکتا تھا کہ ان لوگوں کی دیکھا دیکھی افغانستان کے منگل اور جدران قبیلے اپنی حکومت کو لگان دینے سے انکار کرنے لگیں گے۔ تیسری شق یعنی سرحدی علاقوں سے انگریزی فوجی تھانوں اور چھاؤنیوں کا اٹھ جانا اور ان کا بالکل مختل ہوجانا بھی اقتصادی لحاظ سے ایک ناقابل عمل چارہ کار تھا، کیونکہ قبائلی علاقہ کے لوگوں کے ہاتھ میں کھیتی باڑی کے لئے کافی زمینیں نہیں ہیں۔ وہ یا تو انگریزی فوج میں نوکری کرکے یا افغانی حکومت سے وظیفہ لے کر گزارا کرتے ہیں یا مار دھاڑ کرکے اپنے دن کاٹتے ہیں۔

آخر کابل سے خبر آئی کہ افغان وفد صلح کے رئیس سردار محمد بیگ طرزی ہوں گے۔ اس سے سردار سپہ سالار صاحب مرحوم کو بہت مایوسی ہوئی۔ ان کی رائے یہ تھی کہ یہ وفد انگریزوں سے جرأت اور ہمت کے ساتھ گفت وشنید نہ کرے گا اور ان سے مزید رعایات نہ لے سکے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ وفد منصوری کانفرنس صلح میں افغانی استقلال کی تصدیق کے سوا اور کوئی اچھی شرطیں حاصل نہ کرسکا۔ ہمیں امید تھی کہ شاید یہ وفد ہندوستان کو کچھ اختیارات دلوانے اور ہوم رول قائم کرانے میں ضرور مدد کرسکے گا اور اس طرح اس ہندوستان معاونت کا معاوضہ ادا کرسکے گا جس کی وجہ سے انگریز ہندوستان کی بدامنی سے ڈر کر افغانستان پر پوری طاقت سے حملہ نہ کرسکے اور اپنی ساری فوجوں کو افغانوں کے برخلاف استعمال نہ کرسکے اور ڈکہ کو لے کر وہیں ٹھہرنے پر مجبور ہوگئے اور جلال آباد تک بڑھنے کی جرأت نہ دکھلا سکے۔

افغانستان کے وفد کی طرف سے ہندوستان میں ہوم رول قائم کرانے کے بارے میں مدد ملنا تو درکنار، اس وفد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے قیام ہندوستان کے دوران (1921ء کے شروع میں) وہاں ہندوستانی مسلمان لیڈروں کی دھڑا دھڑ گرفتاریاں ہونے لگیں۔ اس سے مجھے بہت رنج ہوا لیکن اس کا سبب میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ افغانی وفد ہندوستان سے اپنے نقطہ نظر کے مطابق کافی کامیابی حاصل کرکے لوٹ آیا۔

خوشی محمد کا سفر روس:

1917ء میں روس میں بولشویکی انقلاب ہوچکا تھا۔ اس کے بعد وہاں جو خانہ جنگی شروع ہوئی تھی، وہ بھی ختم ہوگئی تھی لیکن قحط سالی باقی تھی۔ اس انقلاب کے بعد روس نے انگریزوں سے اپنا اتحاد توڑ لیا تھا۔ روس کی حکومت یعنی بولشویک ادارہ کی انگریزوں سے دشمنی تھی۔ اس لئے قبلہ مولانا صاحب مرحوم نے اس حکومت سے رابطہ پیدا کرکے اس سے ہندوستان کی آزادی میں مدد لینا چاہی اور اس مقصد کے لئے انہوں نے میرے جلال آباد چلے جانے کے بعد 1920ء کے شروع میں خوشی محمد کو تاشقند بھیجا، جہاں بولشویکوں نے ایک مشرقی یونیورسٹی قائم کر رکھی تھی جس کا مقصد ایشیائی ملکوں کے نوجوانوں کو امپریالسٹوں (Imperialist) کے برخلاف پروپیگنڈا کرنے کی تعلیم دینا اور ان میں بولشویکی خیالات پھیلانا تھا۔ اس کے ہندوستانی صیغہ پر مہندرا ناتھ رائے (M.N.Roy) نام بنگالی ہندو مقرر تھا۔ خوشی محمد اس سے ملا اور وہاں سے ماسکو گیا، جہاں کومنٹرن (Comintern) یعنی کمیونسٹ انٹرنیشنل کے بعض لیڈروں سے ملا۔ اس نے وہاں کمیونسٹ لٹریچر کا مطالعہ کیا جس سے اس کے خیالات ان کی طرف مائل ہوگئے اور اس نے کمیونزم قبول کرلیا اور ہندوستان کمیونسٹ پارٹی کا ممبر بن گیا۔ وہ وہاں سے کابل واپس آیا۔ اس کو ماسکو میں کہا گیا کہ وہ کابل کی روسی سفارت سے تعلق رکھے اور قبلہ مولانا صاحب مرحوم کو اپنے قومی کام میں جتنے روپے کی ضرورت ہو، اس کو روسی سفارت سے حاصل کرے۔ اس طریقہ کار سے ہمیں جو فائدے پہنچے اور جو نقصان اٹھانے پڑے، ان کا ذکر آگے چل کر مفصل کیا جائے گا۔

انگریزوں کے خلاف میرا پروپیگنڈہ:

1919ء کا سال ایسا تھا کہ انگریزوں کے برخلاف ہندوستان میں جلیانوالے باغ کے قتل عام اور رولٹ بل کی وجہ سے بہت ایجی ٹیشن پھیلا ہوا تھا۔ سیورے (Severes) کے معاہدہ صلح کی وجہ سے ترکی کے حصے بخرے کئے جانے پر مسلمانوں میں سخت بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ خلافت کی حفاظت کے لئے پروپیگنڈا ہورہا تھا اور جمعیت خلافت ہند کی بنیادیں پڑ چکی تھیں۔ اس لئے میں نے بھی جلال آباد میں رہتے ہوئے ایک دو دفعہ کوشش کی کہ ہندوستان میں کچھ سیڈیشس پمفلٹ بھیج کر انگریزوں کے برخلاف لوگوں کو اور بھڑکاؤں لیکن ہر دفعہ یہ پمفلٹ انگریزوں کے ہاتھ پڑے۔ یا تو پمفلٹ لے جانے والے شخص نے روپیہ کے لالچ میں انگریزوں کو دے دیا یا پمفلٹ تقسیم ہونے کے بعد ان میں سے کچھ انگریزوں کے ہاتھ پڑ گئے۔ بہرحال انہوں نے افغانی گورنمنٹ کو احتجاج بھیجا جس پر مجھے خارجہ افغانستان کی طرف سے زجر و توبیخ کی گئی۔

ڈاکٹر نور محمد کی ہجرت:

انہی دنوں ہندوستان سے حیدرآباد سندھ کے باشندوں میں سے ڈاکٹر شیخ نور محمد صاحب مرحوم اور ساتھیوں کے ساتھ جماعت مجاہدین کے ذریعہ ہجرت کرکے جلال آباد پہنچے۔ وہ جلال آباد سے کابل بھیج دیئے گئے۔ بعد میں ان کے دو ساتھی تو کابل کے حالات سے مایوس ہوکر ہندوستان واپس چلے گئے، لیکن ڈاکٹر نور محمد کابل میں ٹھہر گئے۔ وہ اصل میں نومسلم تھے۔ انہوں نے بمبئی یونیورسٹی سے ایم ایس سی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ وہ ایک زمانے میں حیدرآباد سندھ میونسپلٹی کے صدر اور سندھ کانگریس کمیٹی کے سیکریٹری رہ چکے تھے۔ انہوں نے اپنی والدہ کے ساتھ مرحوم شیخ عبدالرحیم صاحب سندھی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوشش سے اسلام قبول کیا تھا۔ بعد میں ان کی والدہ نے شیخ صاحب مرحوم سے شادی کرلی تھی۔ شیخ صاحب قبلہ مولانا صاحب مرحوم سے دوست تھے، اس لئے ڈاکٹر نور محمد کے لئے کابل میں رہنا زیادہ آسان ہوگیا تھا۔ بعد میں وہ ہماری جماعت کے اہم رکن بن گئے۔ انہوں نے اپنی ڈاکٹری کی خدمات کی وجہ سے کابل میں جلد شہرت حاصل کرلی اور عوام و خواص کا بلا معاوضہ معالجہ کرنے کے باعث ہندوستانی مہاجروں کا نام بلند کردیا۔ اس طرح انہوں نے سردار محمد نادر خان مرحوم سپہ سالار اور سردار محمد بیگ طرزی مرحوم کے خاندان میں اچھا رسوخ پیدا کرلیا تھا۔

اخبار اتحاد مشرقی:

جلال آباد میں سپہ سالار صاحب مرحوم نے ''اتحاد مشرقی'' کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار جاری کرنا چاہا۔ اس کی ایڈیٹری مجھے دی گئی لیکن میں اپنے لیڈنگ آرٹیکل کے نیچے اپنا نام نہیں لکھا کرتا تھا، کیونکہ افغانی وزارت خارجہ نے اخبار کے نکالنے کی اجازت دیتے وقت اس قسم کی ایک شرط لگادی تھی۔ مدیر اخبار برہان الدین کشکلی نامی ایک افغانی ملا مقرر ہوا جس نے مذہبی تعلیم ہندوستان میں حاصل کی تھی اور جو ٹوٹی پھوٹی اردو بھی جانتا تھا لیکن اس کا اخباری دنیا سے کوئی تعلق نہ تھا۔ نہ اس کی عمومی تعلیم اس درجہ کی تھی کہ وہ ایک اخبار کا ادارہ اپنے ہاتھ لے کر چلا سکے، اس لئے سارا بوجھ میرے سر پر تھا۔ یہ اخبار پہلے ہفتہ وار تھا، پھر ہفتے میں دو بار نکلنے لگا۔ لیڈنگ آرٹیکل کے سوا انگریزی اور اردو اخبارات سے خبروں کا ترجمہ کرنا بھی میرے ہی ذمہ تھا۔ میں اس اخبار میں جو آرٹیکل لکھا کرتا تھا، وہ زیادہ تر اس مضمون پر ہوا کرتے تھے کہ سمت مشرقی کے لوگوں کو باہم اتحاد و اتفاق رکھنا چاہئے اور ملک میں امن و امان قائم کرکے انگریزی، افغانی جنگ کی وجہ سے جو نقصان سمت مشرقی کو پہنچا ہے۔ اس کی تلافی کی کوشش کرنا چاہئے۔ خارجی خبروں کے سلسلے میں زیادہ تر ہندوستان کے حالات، وہاں کے ایجی ٹیشن کے بارے میں اور جنگ عظیم میں شکست کے بعد ترکی میں جو قومی تحریک پیدا ہوئی تھی، ان کے متعلق خبریں ہوا کرتی تھیں۔ اخبار کو جاری ہوئے ابھی چند ہفتے ہی گذرے تھے کہ 16 مارچ 1920ء کو اتحادیوں کے استانبول پر قبضہ کرنے کی خبر آئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے بیڑوں نے اپنی فوجیں خشکی پر اتار کر شہر کے اہم نقاط کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہا۔ اس لئے رات کو ایک ترکی فوجی چوکی پر اچانک حملہ کرکے وہاں سوئے ہوئے بیس ترکی سپاہیوں کو شہید کردیا۔ یہ خبر ہم کو بعد میں ہونے والی مبالغہ آمیز تفصیلات کی وجہ سے بہت ہولناک لگی۔ ہمیں کہا گیا کہ انگریزوں نے دارالخلافہ ترکی پر قبضہ کرکے شہر میں قتل عام کیا اور غارت گری مچادی اور خلیفۃ المسلمین کو شہید کردیا۔ شہر میں خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ میں نے اس خبر کو انہی الفاظ میں درج کرکے سخت پیرایہ میں ایک لیٹر لکھا اور قبائل سرحد کو مشتعل کرکے جہاد پر ابھارا۔ اس سے سرحدی لوگوں میں انگریزوں کے برخلاف سخت نفرت اور دشمنی پھیل گئی۔ احتمال تھا کہ وزیری اور آفریدی بغاوت کر ڈالیں۔ اس پر انگریزوں نے فوراً پروٹسٹ کرکے افغانی وزارت خارجہ سے مطالبہ کیا کہ یہ اخبار بند کردیا جائے۔ سردار سپہ سالار صاحب مرحوم نے اخبار تو بند نہ کیا لیکن مجھے اس کی ایڈیٹری سے ہٹا دیا۔

برصغیر سے مسلمانوں کی ہجرت کی تحریک:

جیسا کہ اوپر لکھا جاچکا ہے کہ اس زمانے میں تحریک خلافت ہندوستان میں بڑے زور سے چل رہی تھی۔ ترکوں کی مدد کے لئے چندے جمع ہورہے تھے اور یہ روپیہ سیٹھ چھوٹانی کے ذریعہ ترکی کی قومی حکومت کو بھیجا جارہا تھا۔ اس چندے کے روپیہ سے ترکوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے مولانا محمد علی جوہر اور ڈاکٹر انصاری مرحوم کی صدارت میں لندن اور پیرس کو وفد بھیجے گئے تھے تاکہ معاہدہ سیورے کو جس کے ذریعہ دولت ہائے ائتلاف نے ترکی سلطنت کے حصے بخرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے چاہے تھے، تبدیل کرایا جائے۔ ان کارروائیوں سے ترکوں کو مدد تو ضرور ملی لیکن اس سے ہندوستان کی آزادی کا راستہ نہ کھلا۔ صرف انگریزوں کے لئے ذرا ہندوستان میں پریشانی بڑھ گئی مگر ان کو کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ اس پر صوبہ یو۔پی کے مولانا عبدالباری مرحوم نے ہندوستان کو علماء دیوبند کی طرح دارالحرب قرار دے کر فتویٰ دیا کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی دارالاسلام میں چلے جائیں۔ اس پر پنجاب اور صوبہ سرحد کے مسلمانوں میں ہجرت کی تیاریاں ہونے لگیں لیکن ہجرت کر کے کہاں جائیں اور کس ملک میں پناہ لیں؟ اس بارے میں ان کو تردد تھا۔ اس پر امیر افغانستان اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خان نے اس وقت ایک تقریر کی جس کے یہ الفاظ خاص کر قابلِ ذکر ہیں:

''افغانستان بہ ہمت وسعت خود آمادہ است

کہ مہاجرین را پناہ بدہد۔''

(یعنی افغانستان سارے کا سارا ہندوستانی مہاجروں کو پناہ دینے پر تیار ہے) اس قسم کے بیانات کو قبلہ مولانا صاحب مرحوم نے کچھ پسند نہ کیا لیکن ان پر اعتراض بھی نہ کیا۔ امیر صاحب کے ان بیانات کا مقصد صرف اتنا تھا کہ مسلمان ہند کے لئے زبانی ہمدردی کریں اور اس سے ذرا انگریزوں کو ڈرا کر افغانستان کے لئے کچھ رعایات لے لیں، ورنہ نہ تو ان بے چارے مہاجروں کے کسی جگہ بسانے کا اور نہ ہی ان کو باقاعدہ مدد دینے کے لئے کوئی انتظام کیا گیا تھا اور نہ ہی اس بارے میں اچھا سوچا ہوا پلان موجود تھا۔ یہ بیانات تو فوری جذبات کی وجہ سے دیئے گئے تھے۔

افغانستان میں اس بارے میں جتنی کوتاہ اندیشی ہوئی، اتنی ہی بدانتظامی ہندوستان میں ظہور پذیر ہوئی۔ کسی کو اس کا خیال تک نہ آیا کہ امیر صاحب کے ان بیانات کے بعد کابل میں کسی کو خط لکھ کر یا ایک آدمی بھیج کر معلوم کریں کہ ان مہاجروں کی پذیرائی اور ان کے بسنے کے لئے کیا انتظامات کئے گئے ہیں؟ نہ ہی کسی کی عقل میں یہ بات آئی کہ ان مہاجروں کو چھوٹے چھوٹے قافلوں کی شکل میں اور چند چند روز کے فاصلے سے بھیجا جائے تاکہ ایک قافلہ کے رکنے کا اچھی طرح کا انتظام ہوجانے کے بعد دوسرا قافلہ روانا کیا جائے۔ ہجرت کے فتوے پر سادہ لوح مسلمانوں نے اپنے گھر اور کھیت آدھے مول پر بیچ دیئے اور نتیجہ اور عاقبت کو سوچے بغیر افغانستان کی طرف روانہ ہوگئے۔ ان بے چاروں کے اس جوش میں نہ صرف ان کی مذہب دوستی کا دخل تھا، بلکہ ایک حد تک ان کی مالی خرابی کا بھی اثر تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ افغانستان میں ان کے لئے سرکاری خزانے کا منہ کھلا ہوا ہے جہاں وہ جاتے ہی مال دار ہوجائیں گے۔ حالانکہ اس کا امکان نہ تھا کیونکہ افغانستان ایک چھوٹا سا ملک ہے اور پس ماندہ ہے۔ یہاں ہزاروں مہاجروں کا جلد اور بہ آسانی بس جانا ناممکن ہے۔ افغانستان میں قابلِ کاشت زمین اتنی کم ہے کہ وہ اپنے پوندوں کو جو سردی کے موسم میں ہزاروں کی تعداد میں برصغیر ہند وپاکستان کو جایا کرتے ہیں، زمینوں اور کھیتوں پر آباد کرنے سے عاجز ہیں۔

مہاجروں کا جم غفیر بے سر وسامانی کی حالت میں افغانستان کی طرف روانہ ہوا۔ اس میں پڑھے لکھے لوگ بہت کم تھے۔ چند ایک ہائی اسکول پاس شدہ اور شاید چار پانچ گریجویٹ تھے جن میں لاہور سے اقبال شیدائی، پشاور سے اکبر خان اور احمد شاہ خان، بھوپال سے مسٹر عثمانی شامل تھے۔ انگریزوں نے جن کو افغانستان کی مالی کمزوری اور ہندوستانی تحریک ہجرت کی بے سروسامانی کا خوب علم تھا، اس تحریک کو ناکام بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ان کے کارندوں نے ہندوستان میں لوگوں کو سبز باغ دکھائے اور کہا کہ کابل پہنچتے ہی مالدار ہوجائیں گے۔ گورنمنٹ کے بعض ایجنٹوں نے ان کے مذہبی جذبات کو بھڑکا کر ان کو ہجرت کی ترغیب دی اور اس طرح اس تحریک کو افغانستان اور پنجابی اور سرحدی مسلمانوں کے لئے ایک رحمت کے بجائے ایک آفت بنا دیا۔ امیر صاحب کو امید تھی کہ ہماری جماعت کی طرح کے پڑھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھے ہندوستانی اس تحریک کے ذریعے افغانستان آئیں گے لیکن یہاں تو یہ ہوا کہ جتنے ان پڑھ کاشتکار تھے جن کے لئے ہندوستان میں ساہوکاروں، زمینداروں اور گورنمنٹ کے مطالبات کی وجہ سے زندگی تنگ ہوچکی تھی، اس تحریک میں شریک ہوئے۔ اکثر تو پیدل آئے، جنہوں نے اپنے بال بچوں کو ساتھ لیا، انہوں نے اپنی بیل گاڑیوں پر سامان لاد کر ان کو ان پر سوار کیا یا کرایہ پر گاڑیاں لیں۔ بعض کو امید تھی کہ افغانی سرحد میں داخل ہوتے ہی ان کے لئے سواری کا انتظام ہوجائے گا لیکن افغانستان میں نہ زیادہ گھوڑی گاڑیاں ہیں اور نہ ٹانگے ہیں۔ صرف جلال آباد میں چند ایک ٹانگے کرایہ پر مل سکتے تھے۔ یہ مہاجر افغانی سرحد سے جلال آباد تک بہت بے سروسامانی سے پہنچے۔ جلال آباد میں ان میں سے بعضوں نے کچھ سواری اور باربرداری کا سامان کیا لیکن ان گاڑیوں کے گھوڑے ان کو راستہ کی پہاڑیوں پر سے گزار کر کابل تک نہ پہنچا سکے۔ پہلے قافلے کے بعد جو قافلے آئے، ان کو تو باربرداری بالکل مل ہی نہ سکی۔ جو اپنی گاڑیاں لائے تھے، ان کے بیلوں کو چارہ نہ مل سکا۔ ان مہاجروں کے کھانے پینے کا انتظام بھی بہت مشکل تھا۔ جلال آباد میں کوئی ہوٹل نہ تھا اور نہ کوئی ریسٹورنٹ۔ کھانے کی چند ایک دکانیں تھی جن میں کھانا بہت نکما تھا اور زیادہ مقدار میں بھی موجود نہ ہوتا تھا، اس لئے ان بیچاروں کو اپنے پیسے سے بھی روٹی نہ مل سکی۔

جلال آباد میں سردار سپہ سالار صاحب مرحوم نے حکومت سے منظوری لے کر ان کو روٹی کھانا دیا لیکن ان کے ہاتھ میں بھی نہ کافی روپیہ تھا اور نہ پورا انتظام اور نہ ہی ایسے ذرائع موجود تھے کہ ہزاروں اشخاص کی ایک دم ضروریات کو پورا کریں۔ میں نے جلال آباد میں ان لوگوں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھی جو افغانی گورنمنٹ کی مدد کے باوجود بھی پریشان تھے۔ اس افراتفری کا مجھ پر بہت اثر ہوا۔ میں نے مولانا عبدالباری صاحب کو خط لکھے کہ اس سیلاب کو روکیں اور صرف پڑھے لکھے لوگوں کو، جو افغانستان کے لئے مفید ثابت ہوسکیں، بھیجیں۔

لیکن وہاں تو محشر برپا تھا۔ میری یا کسی اور کی کون سنتا تھا؟ قافلے پے درپے جلال آباد اور وہاں سے کابل پہنچنے لگے۔ شروع میں ان کو خیموں میں چمن حضوری میں جگہ دی گئی لیکن ان سب کے لئے قابل اطمینان انتظام ناممکن تھا۔ بے چاری پردہ پوش عورتیں وہاں سخت مشکلات میں مبتلا ہوئیں۔ بعض بداخلاق کابلیوں نے ان پر سخت اندازی بھی کی۔ بعض لوگوں نے تو روٹی اور کھانا خریدنے کے لئے اپنا اثاثہ بھی فروخت کرنا شروع کیا جس کو کابلیوں نے آدھے دام میں بھی نہ لیا۔ ان لوگوں کا فارسی زبان سے بے بہرہ ہونا، ان کی بے مائیگی، پردیس اور اس پر وفادار دوستوں کا فقدان، یہ سب ایسی مصیبتیں تھیں جن کو صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے ان کو خود دیکھا اور ان کا سامنا کیا ہو۔ آخر جب مہاجرین کی تعداد بڑھنے لگی تو افغانستان کے دوسرے صوبوں مثلاً بلخ شیر، قطغن، بدخشاں اور ترکستان کو روانہ کیا گیا۔ پہاڑی راستہ، ان کی خود بے سروسامانی، پڑاؤ پر کھانے پینے کی چیزوں کا نہ ملنا ایسی مشکلات تھیں کہ ان پر قابو پانا ناممکن تھا۔ صرف چند ایک نوجوان ترکستان پہنچے اور وہ وہاں سے تاشقند چلے گئے۔ کچھ قطغن اور بدخشاں میں آباد ہوئے مگر وہ بھی مالی مشکلات کی وجہ سے پنپ نہ سکے۔ باقی پھر کابل کی طرف واپس لوٹے اور وہاں سے ہندوستان واپس جانے پر تیار ہوگئے۔ اس پر کابل میں ٹھہرے ہوئے مہاجر بھی پشاور کو لوٹنے لگے۔ اب یہ سیلاب الٹا پھرا اور ہندوستان کی طرف مڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں سادہ لوح مسلمان اپنے گھر بار سے محروم ہوئے، افغانستان پر مالی بوجھ پڑا، ہندوستانی مسلمان افغانوں سے اور افغانی ہندوستان مسلمانوں کے کبیدہ خاطر بنے۔ اگر کسی نے اس سے فائدہ اٹھایا تو وہ صرف انگریز تھے۔ ہجرت کی تحریک گو بذات خود ایک اچھی تحریک تھی لیکن بدانتظامی، بے سروسامانی اور بغیر سوچے سمجھے چلائے جانے کی وجہ سے مفید ہونے کے بجائے بہت مضر ثابت ہوئی۔ اگر مسلمان کسے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہجرت سے سبق لیتے تو یہ مفید ہوتی۔

ہجرت کے سلسلہ میں جو مہاجر کابل میں آئے۔ ان میں سے چند ایک قابلِ ذکر ہیں: ان میں اول نمبر مولوی احمد علی صاحب مرحوم کا ہے جو قبلہ مولانا مرحوم صاحب کے بھتیجے تھے اور لاہور میں شرانوالہ دروازہ میں قرآن شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ وہ ایک اہم شخصیت رکھتے تھے لیکن کابل میں ان کے لئے ان کی قابلیت علمی کے مطابق کوئی کام نہ تھا۔ وہ فارسی نہ جانتے تھے کہ کابل میں قرآن شریف کی تفسیر پڑھاتے۔ ان کو کابل میں رہنے کے لئے مکان تک نہ مل سکا۔ وہ بمعہ اپنے اہل و عیال کے قبلہ مولانا صاحب مرحوم کے پاس ٹھہرے۔ ان کے لئے ہجرت کی نیت توڑ کر دوسرے مہاجروں کی طرح واپس ہندوستان جانے کا بھی امکان نہ تھا، اس لئے قبلہ مولانا صاحب مرحوم نے ان کو ہندوستان میں کام کرنے پر مقرر کیا اور اس طرح ان کو واپس جانے پر راضی کیا۔ اس سے ان کا ضمیر بھی ذرا مطمئن ہوا کہ وہ ہجرت کی نیت نہیں توڑ رہے ہیں بلکہ اپنے بزرگ کے دیئے ہوئے فرض کی ادائیگی کے لئے واپس لوٹ رہے ہیں۔

دوسرے اہم شخص خان عبدالغفار خان تھے جو اتمان زئی پشاور کے رہنے والے تھے۔ یہ جب کابل پہنچے تو قبلہ مولانا صاحب مرحوم نے ان کی بڑی عزت اور خاطرداری کی اور ان کو حکومت موقتہ ہند کی کارروائیوں سے خبردار کیا اور بتایا کہ وہ افغانستان کو صوبہ سرحد کے ساتھ ملانے کا وعدہ کرکے افغانستان سے ہندوستان کے آزادی میں مدد لینے کی کوشش کر چکے ہیں۔ اس پر خان صاحب بہت سیخ پا ہوئے کیونکہ قبلہ مولانا ترقی یافتہ صوبہ سرحد کو پسماندہ افغانستان کے ساتھ ملانا چاہتے ہیں۔ (خدا کی شان ہے کہ انہوں نے پاکستان بننے پر صوبہ سرحد کے لئے ایسی ایسی تجویزیں کیں جو اس سے کہیں زیادہ خراب اور نقصان دہ تھیں) تیسرے شخص ارباب صاحب تھے جو پشاور ضلع کے شرفاء میں سے تھے لیکن ان کی تعلیم بالکل نہ تھی اور وہ سیاسی وسعت نظر کے مالک نہ تھے۔ آخرکار وہ بھی عبدالغفار خان کی طرح پشاور لوٹ گئے۔

چوتھے بلوچستان کے ایک سردار جن کا نام محمد اسلم خان تھا، اپنے چند ایک لوگوں کے ساتھ کابل پہنچ گئے تھے۔ وہ افغانستان ہی میں بس گئے لیکن ان کو بھی بہت سی مالی مشکلات کا سامنا ہوا اور افغانی گورنمنٹ کے وظیفہ خوار بننے پر مجبور ہوگئے۔

پانچویں شخص عزیز صاحب تھے جو اصل میں تو امرتسر کے رہنے والے تھے لیکن انہوں نے اپنے کو عزیز ہندی کہنا شروع کردیا تھا۔ وہ بھی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے میں مصروف ہوگئے تھے۔ باقی جیسا کہ اوپر لکھا جاچکا ہے، چند ایک گریجویٹ آئے تھے ان میں سے صرف اقبال شیدائی صاحب کابل میں ٹھہرے اور ہمارے ساتھ مل کر قبلہ مولانا صاحب مرحوم کی صدارت میں کام کرنے پر تیار ہوگئے تھے۔

احمد شاہ خان ترکستان میں بسے اور وہاں محکمہ تعلیم میں کام کرنے لگے لیکن کچھ سال بعد وہ کابل آئے اور میں جب 1933ء میں ترکی سے فوج معلم کے طور پر کابل آیا تو دیکھا کہ وہ کابل میں تجارتی کاروبار میں لگے ہوئے ہیں اور ان کی اچھی ساکھ بنی ہوئی ہے۔ بعد میں پاکستان بننے پر وہ کراچی چلے گئے جہاں میں نے ان کو 1949ء میں 34 سال بعد پھر اپنے وطن مالوف کو لوٹ کر کراچی میں دیکھا۔ وہاں بھی ان کا کاروبار اچھا چل رہا تھا۔

بھوپال کے عثمانی صاحب تاشقند پہنچے۔ وہاں انہوں نے کچھ بولشویکی لٹریچر کا مطالعہ کیا۔ میں نے بعد میں سنا کہ وہ بھی پھر ہندوستان لوٹ گئے۔ پشاور کے اکبر خان بھی کچھ مدت ترکستان میں رہے پھر وہاں سے تاشقند پہنچے جہاں سے وہ بھی ہندوستان چلے گئے۔

مہاجروں میں مل کر بعض انگریزی جاسوسوں کا افغانستان پہنچنا بالکل ایک قدرتی بات تھی۔ ان جاسوسوں میں سے ایک شخص عبدالحق نامی تھا۔ یہ اپنے کو بڑا متقی اور پرہیزگار دکھلاتا تھا، یہاں تک کہ سردار سپہ سالار کو بھی اس کے زہد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر کوئی عنوان قائم کیا جاسکتا ہے۔ بعد میں ان پر واضح ہوا کہ عنوان کے تحت جمع کردہ حدیث ہٰذا سے تو عنوان کے مضمون کے علاوہ دیگر فوائد بھی معلوم ہوتے ہیں۔ پس ایسی حدیث پر باب کی علامت لکھ دیتے ہیں۔ اس سے غرض یہ نہیں ہوتی کہ پہلا باب ختم ہوچکا اور اس کے آخر میں دوسرا باب شروع ہوچکا، بلکہ ضمنی باب یا ذیلی عنوان مقصود ہوتا ہے۔ اہل علم اسے "فائدہ" یا "تنبیہ" یا "تف" وغیرہ عنوان دیتے ہیں۔ مثلاً "کتاب بدء الخلق" میں باب باندھا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ کا فرمان: "اور اس نے زمین میں ہر قسم کے جاندار پھیلا دیئے" اس سے چند سطور آگے لکھتے ہیں: "باب: مسلمان کا بہترین مال وہ بھیڑ بکریاں ہیں جو (فتنہ سے بچنے کے لئے) پہاڑی علاقوں میں لے جائے"۔ اس سلسلہ میں اپنی سند سے حدیث لکھ کر آگے ایک اور حدیث بیان کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: "فخر اور تکبر گھوڑے والوں میں ہوتا ہے۔" اس حدیث میں بکریوں کے مالکان کا ذکر نہیں ہے۔ یوں گویا آخری حدیث سے یہ باور کرایا ہے کہ بھیڑ بکری چرانے اور پالنے والوں میں گھوڑوں کی پرورش کرنے والوں کے مقابلہ میں تکبر اور غرور نہیں ہوتا ۷۔ کبھی کسی محدث کے قول یا کسی کی سند پر باب باندھتے ہیں۔ ایسا عموماً وہاں ہوتا ہے جہاں ایک سند سے دو حدیثیں وارد ہوں۔ ایسے موقعہ پر ایک سند بیان کرنے کے بعد (ح) لکھا ہے: جس کا مقصد یہ باور کرانا ہوتا ہے کہ یہ حدیث دو سندوں سے بیان ہوئی ہے۔ اس کی مثال "باب ذکر الملائکۃ" میں ہے۔ یہاں کافی طویل کلام فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ وہ حدیث بیان کی جس میں ہے کہ: رات کے فرشتوں کے بعد دن کے فرشتے آتے ہیں۔ یہ روایت شعیب بحوالہ ابوزناد، بحوالہ اعرج، بحوالہ ابوہریرہؓ مروی ہے۔ اس کے بعد عنوان قائم کیا ہے: "جب تم میں سے کوئی آمین کہے اور فرشتے آسمان میں آمین کہیں، پس جب دونوں کی آمین آپس میں موافق ہوجائے تو آمین کہنے والے کے گذشتہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔" اس کے بعد یہ حدیث بیان کی ہے کہ: "فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے، جہاں کوئی تصویر موجود ہو۔" پھر کافی آگے آمین کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں شارح اسماعیلی کہتے ہیں کہ گویا امام بخاری باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ دوسری سند کی طرف اشارہ ہے۔ ۸۔ کبھی بعض لوگوں کے مذہب کا مسئلہ بیان کرکے اس کی تردید میں حدیث بیان کرتے ہیں، قطع نظر اس امر سے کہ پیش کردہ حدیث اپنے عموم کے اعتبار سے اس مسئلہ کے خلاف ہو یا کسی اور وجہ سے اس کی تردید کرے۔ ۹۔ بہت سے عنوانات سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعات، حالات، خصوصیات کا استنباط کرنے میں اہل سیرت کی طرف مائل ہیں، کیونکہ احادیث کے اشارات اسی طرف رہنمائی کرتے ہیں، جس کی وجہ سے بعض اوقات بادی النظر میں ایسا فقیہ تعجب میں پڑ جاتا ہے جسے اس فن میں مہارت یا شدبد نہیں ہوتی، مگر اہلِ سیرت کو آگاہی ہونے کی وجہ سے اس نوع کی احادیث کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ ۱۰۔ مطلوب مسئلہ کی موافقت میں حدیث بیان کرنے کے بعد ان کا مقصود طالب علم کو مشق کرانا ہوتا ہے، اس وجہ سے موضوع سے متعلق طالب کی دیگر احادیث کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ مثلاً (بٹائی پر زمین دینے کی احادیث میں) گندم کے بیان میں "صاع" کا ذکر کیا ہے، جو اناج ناپنے میں کام آتا ہے۔

اس کے علاوہ امام بخاری نے عنوانات کے تحت قرآن مجید کے مشکل الفاظ کی تشریح و توضیح، صحابہ کرام کے آثار اور معلق احادیث پر مشتمل علمِ کثیر بیان کیا ہے۔ بعض اوقات عنوان کے تحت ایسی احادیث بیان کرتے ہیں جن سے متعلقہ عنوانات کا مضمون ثابت نہیں ہوتا، لیکن ان احادیث کے دیگر طرق میں وہ مضمون اشارتاً یا صراحتاً موجود ہوتا ہے۔ اس جگہ اس حدیث کے ذریعہ یہ باور کرانا مقصود ہوتا ہے کہ ضرور اس کی کوئی نہ کوئی اصل ہے۔ اس طرح کی احادیث سے وہی فائدہ حاصل کر سکتا ہے، جسے علمِ حدیث میں مکمل مہارت حاصل ہو۔ بہت سے عنوانات کے تحت ایسی احادیث بیان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دلقوتی سے دھوکہ لگا تھا۔ اس نے بھی قندھار کے راستے ہندوستان جانے کا فیصلہ کیا مگر کابل سے چلنے سے پہلے کوئٹہ کے انگریزی افسر کو خط لکھا جس میں اس کو اپنی واپسی کی اطلاع دی۔ یہ خط افغانوں کے ہاتھ پڑا۔ میں نے بھی یہ خط سردار سپہ سالار صاحب مرحوم کے دفتر میں دیکھا۔ اس سے مجھے بہت شرمندگی اٹھانی پڑی۔ تحقیقات کے بعد اس شخص کو جیل میں ڈال دیا گیا اور بعد میں اس کو موت کی سزا دے دی گئی۔ اس طرح عبدالرحمن جو ہماری جماعت میں بعد میں آ کر شریک ہوا تھا اور اپنے بھائی عبداللہ کے ساتھ کابل کے چڑیا گھر کے باغ سے بھاگ کر یاغستان (سرحد آزاد) میں چلا گیا تھا اور وہاں سے ہندوستان پہنچ گیا تھا، پھر افغانستان آیا۔ مگر اس دفعہ انگریزوں کی طرف سے تحریک ہجرت کے سلسلہ میں وہاں بھیجا گیا تھا۔ وہ خوست میں افغانوں کے ہاتھ پڑا اور قید خانے میں ڈال دیا گیا جہاں وہ بعد میں مرگیا۔

میری کابل کو واپسی:

منصوری میں انگریزوں سے صلح ہوجانے اور سمت مشرقی میں پوری طرح سے امن وامان قائم ہونے پر سردار سپہ سالار صاحب مرحوم کا سمت مشرقی کی تنظیم کا فرض پورا ہوگیا تھا، اس لئے امیر صاحب کی طرف سے ان کو کابل واپس آنے کا حکم پہنچا اور تقریباً ایک سال جلال آباد میں رہ کر کابل واپس روانہ ہوگئے۔ ان کی جگہ ان کے چھوٹے سوتیلے بھائی سردار ہاشم خان مقرر ہوئے جو امیر حبیب اللہ خان کے قتل کے وقت ہرات میں کمانڈر تھے اور امیر صاحب کے قتل پر جس طرح ان کے رشتہ داروں کو فوج نے جلال آباد میں قید کردیا تھا، اسی طرح وہ بھی ہرات میں فوج کی طرف سے اپنے چچا زاد بھائی سلیمان خان والی ہرات کے ساتھ قید کرکے کابل لائے گئے تھے، لیکن جب سردار سپہ سالار مرحوم اور ان کے بھائی اس قتل کے الزام سے بری ہوئے تو وہ بھی رہا کردیئے گئے تھے۔ قبلہ مولانا صاحب مرحوم نے جیسے مجھے سردار سپہ سالار صاحب مرحوم کے ساتھ بطور ان کے سیکریٹری کے بھیجا تھا، سردار موصوف جلال آباد میں اللہ نواز خان کے کام سے بہت خوش رہے۔ اس کے بعد انہوں نے اس کو اپنے سے بالکل جدا نہ کیا۔

میں کابل واپس آنے پر پھر وزارت حربیہ میں دائرہ ارکان حربیہ عمومیہ (General Staff General Head Quarters) میں متعین ہوا۔ یہاں میں نے سردار سپہ سالار صاحب مرحوم کی ہدایت کے مطابق ایک فائل تیار کی جس میں ہر قبیلے کے سردار اور خوانین اور اس کے ممبروں کی تعداد، تقریبی فوجی طاقت، بندوقوں کی تقریبی تعداد اور اس کی مالی حالت، اس کے سیاسی میلان وغیرہ کے بارے میں معلومات جمع کیں۔

نیز اس فائل میں اس بارے میں بھی رائے دی گئی تھی کہ قبیلے کو انگریزوں سے پھرا کر افغانی گورنمنٹ کے ہاتھ میں رکھنے کے لئے اس کے خوانین کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے اور ان کو کتنی نئی تنخواہیں دی جائیں؟ اس کے سوا اس میں یہ بھی درج تھا کہ قبیلوں کی باہمی رقابت یا دشمنی سے کیسے فائدہ اٹھایا جائے؟

اس سلسلے میں میں نے ایک انگریزی کتاب جس کا نام (Black Mountains to Wiziristan) (From H.C.Willy) کی طرف سے لکھی گئی تھی، فارسی میں ترجمہ کرکے چھپوانا شروع کیا۔ اس کتاب کے مضامین سے مجھے اس فائل کے تیار کرنے میں کافی مدد ملی۔ اس فائل کا مقصد یہ تھا کہ صلح کے زمانے میں افغانستان کو ان قبائل سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے میں مدد ملے تاکہ اگر کبھی پھر انگریزوں سے لڑائی ہو تو جو مشکلات اس دفعہ لڑائی میں افغانی کمانڈروں کو پیش آئیں یا جن ناکامیوں کا انہوں نے منہ دیکھا، ان کا دوبارہ سامنا نہ کرنا پڑے، لیکن میرے افغانستان میں باقی ماندہ ایام قیام میں اس قسم کی ضرورت پیش نہ آئی۔ میرے بعد اس فائل کا کیا حشر ہوا؟ اس سے وزارت حربیہ افغانستان نے کتنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فائدہ اٹھایا اور سرحد کے متعلق جو (H.C.Willy) کی کتاب میں نے ترجمہ کرکے چھپوانی شروع کی تھی، وہ پوری چھپی یا نہیں؟ اس کے بارے میں مجھے افغانستان چھوڑنے کے بعد کوئی خبر نہیں مل سکی۔ استفسار کرنے پر افغانستان سے آنے والوں سے میں جتنا کچھ معلوم کرسکا، وہ یہی تھا کہ اس کتاب کی چھپائی ناتمام رہی اور اس فائل کو بالکل طاق نسیان پر رکھ دیا گیا تھا۔

اس زمانے میں افغانستان کے ملک کا کوئی باقاعدہ نقشہ بھی موجود نہ تھا، جس سے اسکولوں یا دفتروں میں کام لیا جائے۔ اس لئے سردار سپہ سالار صاحب مرحوم نے چاہا اگر فوجی نقشہ نہ بھی ہو تو کم از کم ایک بڑے پیمانے کا عمومی نقشہ جو اسکولوں کی دیواروں پر لٹکایا جاسکے اور جس میں پہاڑ، دریا، ندیاں اور نالے، راستے اور شہر و قصبات علیحدہ علیحدہ رنگ میں چھپے ہوں، تیار کیا جائے۔ اس کے لئے میں نے پہلے تو ہندوستان سے ایسے افغانستان کے نقشے جتنے جتنے منگائے جن سے اس قسم کا ایک بڑا نقشہ بنانے میں مدد مل سکے لیکن ان نقشوں کا پیمانہ (Scale) چھوٹا تھا۔ اس لئے ان کو بڑا کرنے کی ضرورت تھی۔ میں اس کام کو سرانجام دینے کے لئے ہندوستان سے ایک (Pantograph) منگوا کر اس کا استعمال مرزا عبدالرسول نقشہ نویس وزارت حربیہ کو سکھایا اور قبلہ مولانا صاحب مرحوم نے جو اس قسم کے رنگین نقشوں کی چھپائی کا اصول مجھے بتایا تھا، اس کے مطابق اس نقشے کو چھپوانے کے لئے وزارت حربیہ کے چھاپے خانے میں جس کو سردار سپہ سالار مرحوم نے سرکاری افغانی مطبع سے علیحدہ کرکے اپنی نگرانی میں وزارت حربیہ میں قائم کرلیا تھا، تیاریاں شروع کیں۔ مرزا عبدالرسول نے ان چھوٹے پیمانے کے نقشوں کو بڑا کیا اور اس نے ان کو لیتھوگرافی کے اصول پر یعنی پتھر پر چھپوانا شروع کیا۔

اس زمانے میں کابل میں ایسے بڑے نقشے کا رنگین چھپ جانا ایک بڑا کارنامہ سمجھا جاتا تھا، لیکن اس نقشہ کی چھپائی ختم ہونے سے پہلے ہی میرے افغانستان چھوڑنے پر مجبور ہونے کی وجہ سے یہ نقشہ بھی ادھورا ہی رہ گیا اور اس کو بھی میرے بعد کسی نے پورا نہ کیا۔

اس زمانے میں (یعنی 1920ء کے موسم خزاں میں) ترکی کے سابق وزیر بحر احمد جمال پاشا (مرحوم) کابل پہنچے۔ ان کے ورود نے کابل کی سیاسی زندگی میں ایک نیا رنگ بھر دیا۔ جمال پاشا نے طلعت پاشا مرحوم، انور پاشا مرحوم اور نیازی بک مرحوم کے ساتھ مل کر یوروپین ترکی میں نوجوان ترکوں کی (جمعیت اتحاد وترقی) کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس جمعیت نے 1908ء میں مطلق العنان سلطان عبدالحمید خان ثانی کو تخت سے اتار کر ملک میں دستوری حکومت اور پارلیمنٹری نظام قائم کیا تھا اور بعد میں جرمنی سے اتحاد کرکے ترکی کو پہلی جنگ عظیم میں شریک کرادیا تھا۔ جمال پاشا مرحوم جنگ کے زمانے میں وزیر بحر رہ چکے تھے۔ وہ فلسطین کے محاذ کے کمانڈر کی حیثیت سے مصر کو انگریزوں کے ہاتھ سے چھڑانے والی ترکی فوجی مہم کے سربراہ بھی مقرر ہوئے تھے اور ترکی فوجوں کو جنگی ساز و سامان کی کمی کے باوجود بھی صحرائے سینا سے گزار کر نہر سویز تک لے جانے اور سویز کو پار کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے لیکن فوجی طاقت کی کمی کی وجہ سے سرزمین مصر میں داخل نہ ہوسکے تھے۔ سلطنت عثمانیہ کے اس جنگ میں ناکام رہنے پر وہ اتحاد و ترقی کے دوسرے ارکان کے ساتھ یورپ چلے گئے تھے۔

(جاری ہے)

مذہب

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی!

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ

© rasailojaraid.com